(غلام گردش)

ہماری قومی سوچ تبدیل کی گئی ہے!

کوئی بھی ملک اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ترقی کے لفظ کی بجائے "بھرپور ترقی" نہیں کرسکتا۔خامیاں پتہ چل جائیں اورانہیں ختم کرنے کا جذبہ ہوتو تنزلی کے سفرکوروکا جاسکتا ہے۔جب قومی کمزوریاں زائل کردی جائیں تو ملک ترقی یافتہ بن جاتا ہے۔مثالیں ہرطرف بکھری پڑی ہیں۔مگران پرتدبرکرنے کیلئے کوئی بھی تیارنہیں۔نہ قوم،نہ فوج،نہ عدلیہ اورنہ ہی کسی بھی دورکی حکومت۔

پاکستان،شمالی کوریا،سعودی عرب،ایران اوراس جیسے دیگرضعیف ممالک میں ایک حقیقت یکساں ہے۔ان تمام ملکوں میں قومی سوچ اورفکرکوانتہائی جاہلانہ طریقے سے تبدیل کیا گیا ہے۔کبھی کسی فوجی حکمران نے،توکبھی کسی جمہوری لیڈرنے،کبھی مذہبی رہنماؤں کے گروہ نے اورکبھی ریاست کے بھیانک جبرنے۔ان جیسے تمام ممالک دعویٰ تو کرسکتے ہیں کہ ترقی کررہے ہیں مگروہ ترقی کرنا جانتے ہی نہیں۔شمالی کوریا ایک انتہائی غریب ملک ہے۔اس میں ایک ہی خاندان کی بادشاہت قائم ہے۔دادا،باپ اوراب بیٹا۔فوجی طرز کی وردی پہن کرلوگوں نے اپنی شکلیں بھی ایک جیسی کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔شمالی کوریا کا موجودہ حکمران کیا کہہ رہا ہے۔ہماری قوم خطرے میں ہے۔امریکہ اورجاپان ہمارے دشمن ہیں۔ہمیں ہروقت مہلک سے مہلک ہتھیار بنانے میں مصروف ہونا چاہیے۔ہمیں ایٹمی میزائل بنانے چاہیے۔اس ملک میں کوئی یہ کہنے کی جرات نہیں کرسکتا،کہ جناب شمالی کوریا کی عوام تو غربت کے ہاتھوں برباد ہوچکی ہے۔لوگ چھپ کرملک چھوڑنے پرمجبورہوچکے ہیں۔مگرنہیں،انکے قومی لیڈراپنے مقاصدمیں بالکل یکسوہیں۔ملک کوسیکیورٹی کے نام پربرباد کرو،اوراپنے آپکواتناعظیم ظاہرکرو،کہ لوگ کسی اورطرف دیکھنے کے قابل نہ رہیں۔جو بتایا جارہا ہے،صرف اسی کو سچ مانیں۔شمالی کوریا،فکری دھارے کوگدلا پانی بنانے کی بھرپورمثال ہے۔

پاکستان کی طرف دیکھنا ضروری ہے۔یہ کئی لحاظ سے خوش قسمت ملک ہے اورکئی لحاظ سے انتہائی بدقسمت۔مسلمان ممالک میں یہ واحدملک تھااور ہے جوترقی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ذہین اورمحنتی لوگ،جفاکشی کی دولت سے مالا مال افرادی قوت اورترقی کرنے کیلئے بےقراراَن گنت نوجوان نسل۔مگرسوچنا چاہیے کہ بالاخرغلطی کہاں سرزدہوئی اوراس کمزوری کا ہمیں ادراک ہے بھی یانہیں۔طالبعلم کی دانست میں ہمارے ملک کی قومی سوچ کوانتہائی ادنیٰ طریقے سے تبدیل کیا گیا ہے۔اسے آپ سوشل انجینئرنگ کی بھیانک مثال بھی کہہ سکتے ہیں۔سٹین لے والپورٹ سے لیکرتمام آزادتاریخ دان اس رائے کا برملا اظہارکرتے ہیں کہ قائداعظم ملک کوقطعاً مذہبی ریاست نہیں بنانا چاہتے تھے۔انہوں نے کابینہ کے جتنے اجلاس بلائے،ان تمام میں انکی فکری اورسیاسی سوچ کھل کرسامنے نظرآتی ہے۔زندگی میں انکے خیالات پرتنقیدکرنے والے لوگ بہت کم تھے۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں ہمت نہیں تھی کہ قائد کے لبرل خیالات یا تقاریر سے برملا اختلاف کرسکیں۔مگرجیسے ہی قائد دنیا سے رخصت ہوئے،وہ تمام قوتیں جنکا پاکستان بنانے میں کوئی حصہ نہیں تھا،کھل کرسامنے آگئیں۔یہ ابتدائی مرحلہ تھا،جس میں ملک میں فلاحی رجہانات کی بجائے مذہبی رجہانات کو برتری دینے کی کوشش کی گئی۔لیکن اس وقت

معاشرے میں اتنی طاقت اور جان تھی کہ اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا گیا۔عام لوگ مذہبی جماعتوں کو کبھی ووٹ نہیں ڈالتے تھے۔طویل عرصے تک مذہبی سیاسی جماعتیں کسی بھی فیصلہ کن پوزیشن میں نہیں آسکیں۔فوج اور سول سروس بھی عمومی طور پر غیر جانبدار تھیں۔لوگوں کی اہلیت کا تعین مذہبی رجہانات کی بنیاد پر قطعاً نہیں ہوتا تھا۔شائد آپکے لیے خبر ہو کہ لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ میں لاکھوں غیر ملکی لوگ باقاعدہ سیاحت کیلئے آتے تھے۔ہمارے شمالی علاقہ جات، غیر ملکی سیاحوں کی جنت تھی۔ملک میں تشدد پسندانہ روش کو کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جاتا ہے۔عام لوگ دین کے تمام فرائض بڑے سکون سے ادا کرتے تھے۔یہ معاملہ کسی نہ کسی طریقے سے 1977 تک لڑکھڑا لڑکھڑا کر چلتا رہا۔

1977 میں جنرل ضیاء الحق کو احساس ہوا کہ مذہب کے نام پر لوگوں پر حکومت بہت آسانی سے کی جاسکتی ہے۔میری نظر میں وہ ایک انتہائی ذہین انسان تھا۔شخصی طور پر کافی حد تک صاف ستھرا، مگر امورِ حکومت میں بے انتہا جابر شخص۔پی۔این۔اے کی نظام مصطفیٰ تحریک کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ عوامی سطح پر مذہب کو ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر کامیابی سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس نے بعینہ یہی کیا۔مذہب کو اپنی حکومت کی خامیاں چھپانے کیلئے ایک ڈھال بنا ڈالا۔حدود کے قوانین کسی پاکستانی عالم نے نہیں مرتب کیے۔مشرق وسطیٰ کے ایک ملک سے ایسے عالم دین کو کام سونپا گیا، جو خود اپنے ملک میں یہ کام نہیں کرسکتا تھا۔جنرل ضیاء نے بڑے آرام سے یہ نسخہ قوم پر آزمایا۔عملی نتیجہ کیا نکلا۔اسکا جائزہ لینا بے حد ضروری ہے۔جن کاموں کو روکنے کیلئے یہ سب کچھ کیا گیا، جو ہری طور پر وہ تمام علتیں پورے معاشرے میں پہلے سے بھی زیادہ قوت سے پھیل گئیں۔ضیاء الحق نے پورے معاشرے کے اندر بنیادی تبدیلیاں کرنے کی بھرپور کوشش کی۔اپنی حکومتی سوچ کو اسلامی قرار دیا۔مقابلے پر جس فریق نے کوئی بھی مختلف بات کی، اسے سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا۔کون نہیں جانتا، کہ مذہبی تشدد پسندانہ تنظیموں کو ریاست کی چھتری تلے کس نے پروان چڑھایا۔آپ کسی بھی سنجیدہ آدمی سے سوال کریں کہ آیا فرقہ پرستی ہمارے ملک میں ضیاء الحق دور سے پہلے اس شدت سے موجود تھی یا نہیں۔جواب بالکل سیدھا ہوگا۔پورے ملک میں مذہبی فرقہ پرستی کی شدت اور حدت بہت کم تھی۔مگر ضیاء الحق نے سماج میں وہ زہر گھولا کہ فرقہ کا فرق، اسلام اور کفر میں جنگ کی بنیاد بن گیا۔ساتھ ساتھ افغانستان میں جہاد کے نام پر لاکھوں لوگ مار دیے گئے۔نسلیں برباد ہوگئیں۔جہاد ایک ذریعہ معاش کی غمازی کرنے لگا۔مجموعی نقصان یہ پہنچا کہ پورے ملک میں اعتدال پسند طبقہ خوف زدہ ہوگیا یا اسے ڈرا دیا گیا۔ریاست پوری طاقت کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ کھڑی ہوگئی جنکے مذہبی اور فکری رجہانات مشکل طرز کے تھے۔بنیادی قوانین میں تبدیلی سے لیکر معاشرے کی سوشل انجینئرنگ کا کام اس کرخت طریقے سے کیا گیا، کہ قوم کی اکثریت ایک "مخصوص عملی رویہ" کی قائل ہوگئی۔یہ کلچر بھرپور منافقت کا تھا۔آپ لوگوں کے سامنے ایک فرشتہ نظر آئیں، مگر ذاتی حیثیت میں اسکے بالکل برعکس کریں۔اس منافقت نے اتنی گرد اُڑائی کہ پوری قوم کا معتدل رویہ غائب ہونا شروع ہوگیا۔وہ کام جو 1948 سے آہستہ آہستہ شروع کیا گیا، 1977 میں مضبوط کانٹے دار درخت بن چکا تھا۔

جنرل ضیاء الحق کے بعد بالواسطہ یا بلاواسطہ ان عملی نظریات کو روکنے یا ٹوکنے کی ہمت کسی سیاستدان یا فوجی میں نہیں

رہی۔مقتدر حلقہ سمجھ گیا کہ مذہب، پاکیزگی اور منافقت کی آڑ میں سارے کام کیے جاسکتے ہیں۔ناجائز مالی وسائل حاصل کیے جاسکتے ہیں۔چھپ کر تمام "ممنوعہ لذتیں" حاصل کی جاسکتیں ہیں۔جنکا ذکر دن کے اُجالے میں کرنا گناہ تصور کیا جاتا ہے۔قومی سیاستدانوں کی اکثریت اسی فلسفہ پر عمل پیرا ہوگئی اور پھر دیکھا دیکھی یہی ہمارا عمومی رویہ بننا شروع ہوگیا۔لوگ جنرل مشرف کو لبرل انسان گردانتے ہیں۔مگر عملی صورتحال کا جائزہ لیں تو ایک حقیقت اس طرح سامنے آتی ہے کہ انسان سر پکڑ لیتا ہے۔پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار مذہبی جماعتوں کو صوبائی اور قومی اقتدار میں مکمل اختیار کے ساتھ شامل کیا گیا۔خیبر پختونخواہ میں پانچ سال تک مذہبی بنیادوں پر حکومت قائم کروائی گئی جس نے طالبان سے لیکر ہر تشدد پسندانہ رویہ کو بڑھاوا دیا۔سوات سے لیکر فاٹا تک تمام کام اسی دورِ حکومت میں سرِ عام ہوتا رہا۔ضیاءالحق کے بعد مقتدر حلقوں میں مذہبی رہنماؤں کو تخت نشیں کرنے والا جنرل پرویز مشرف تھا۔

مختلف ادوار میں حکومت اور ریاستی اکابرین نے ہر طریقے سے مذہبی سوچ کی ایک خاص شکل کو ایسا تن آور درخت بنا دیا کہ پورا ملک اس کے سائے بلکہ آسیب میں آ گیا۔مغربی دنیا کے غیر جانبدار سیاسی محققین ان معاملات پر بہت زیادہ تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ایک زمانے میں پاکستان کو اسی سوچ کی بنیاد پر دنیا کا سب سے خطرناک ملک قرار دیا جاتا تھا۔

عملی صورتحال یہ ہے کہ ملک کے ہر شعبہ میں مذہب کو ایک مخصوص طرح پیش کیا جاتا ہے۔ایک خصوصی فکری مذہبی رویہ کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔اسلام جیسے عظیم مذہب کو آج بھی ایک ہتھیار کے طور پر سیاسی اور غیر سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔حالات کی بے رحمی دیکھیے کہ وہی حلقہ جس نے یہ سب کچھ شروع کیا تھا،آج اپنے آپکو انہی دہشت گرد لوگوں کے ہاتھوں غیر محفوظ سمجھتا ہے۔مستونگ میں مذہبی جماعت کے قافلے پر حملہ، اس شدت پسندی کا وہ رخ دکھا رہا ہے، جسے ہم کبھی بھی تسلیم نہیں کرتے۔دانشور،ادیب،لکھاری،شاعر،سیاستدان اور مقتدر لوگ اب اس درجہ غیر محفوظ ہیں کہ کوئی بھی ملک کے تبدیل شدہ قومی بیانیے کے متضاد بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ہر ایک کو معلوم ہے کہ ذرا سے اعتراض کرنے پر نامعلوم گولی سے مارا جاسکتا ہے۔بدقسمتی سے چار دہائیوں میں قومی بیانیہ اور سوچ اس درجہ تبدیل کردی گئی ہے بلکہ مسخ کردی گئی ہے، کہ اب کوئی بھی دلیل کی بنیاد پر اسکی مخالفت نہیں کرسکتا۔اب ہماری قومی سوچ خوف،ڈر،ذاتی منفعت اور بھرپور منافقت کا مجموعہ ہے۔اس بھیانک جن کے سامنے فی الوقت کوئی کھڑا نہیں ہوسکتا۔شائد چند سالوں میں قدرت ہم پر مہربان ہوجائے اور ہم سچ کی دوائی کھا کر اپنی قومی سوچ کا دھارا بدل سکیں۔پر ابھی تو سب خوف زدہ ہیں۔

راؤ منظر حیات